تحقیق وتنقید

مکی دور کی احادیث۔سیرتِ ابن اسحاق میں

——— پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

عظیم ترین امامِ سیرت محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار مطلبی (۸۵ھ/ ۷۰۴ء۔ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) طبقۂ موالی کے علماء میں تھے۔ وہ صحابیٔ جلیل حضرت قیسؓ بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے خاندان سے اپنے بزرگ خیار کے رشتۂ 'ولائ' کی وجہ سے مطلبی تھے، ورنہ اصلاً عجمی تھے۔ مدینہ منورہ میں اپنی پیدائش اور تعلیم وتربیت، سرپرستِ خاندانِ مطلبی کی سرپرستی اور خود اپنے بیکراں طلبِ علم کے سبب علماء کے سرخیل بنے۔ ان کے شیوخ میں مدینہ طیبہ کے تمام نامور محدثین، فقہاء اور علماء شامل ہیں۔ان میں امام زہریؒ (م ۱۲۴ھ/ ۷۴۲ء) اور امام نافع مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے اساطین میں تھے۔ ابن اسحاقؒ نے اپنے اساتذہ ،خاص کر امام زہریؒ کی زندگی ہی میں حدیث وسیرت میں امامت کا مرتبہ حاصل کرلیا تھا،جس پر امام زہریؒ فخر کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے فنِ سیرت نگاری میں اختصاص پیدا کیا اور اپنے زمانے کے ہی نہیں، ہر زمانے کا مرجع و ماخذ بن گئے اور آج تک بھی وہی ہیں۔ [۱]

ایسی جامعِ کمالات شخصیت کے بارے میں کچھ محدثین وعلماء اور مورخین و اہلِ سیر کی آراء زیادہ تر منفی وتنقیدی ہیں اور مثبت بہت کم ہیں۔محدثین کی اکثریت فنِ حدیث میں ان کی امامت ومرتبت کیا تسلیم کرتی، ان کی ثقاہت ومہارت سے بھی انکاری ہے اوران پر طرح طرح کے الزامات لگاتی ہے۔ ان کے معاصر امامِ حدیث حضرت مالک بن انسؒ کو ان کا نکتہ چیں اور ناقد بتایا جاتا ہے، حالاں کہ ڈاکٹر حمید اللہ

نے اسے صرف عارضی معاصرانہ چشمک قرار دیا ہے۔ بعد کے محدثین میں سے زیادہ تر اکابر نے ان کے طریقۂ تالیف وروایت کی بنا پر ان کو تدلیس کا مجرم گردانا ہے، حالاں کہ وہ محدثین و مورخین کا فرقِ تحقیق ہے۔امام ذہبیؒ نے ان کو حدیث میں درجۂ صحت سے فروتر قرار دیا ہے، جب کہ نسائی ان کو قوی نہیں مانتے اور دارقطنی ان کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔لیکن دوسری طرف متعدد اکابر علماء ومحدثین نے ان کی تعدیل کی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کو'حسن الحدیث' سمجھتے تھے اور امام علی بن مدینیؒ ان کی حدیث کو صحیح قرار دیتے تھے۔ امام شعبہؒ نے ان کو'امیر المومنین' کا درجہ دیا ہے۔ اکابر محدثین نے ان کی احادیث قبول کی ہیں۔ اس تاریخی تناظر میں ان کی کتابِ سیرت کی احادیث کا ایک مطالعہ پیش ہے۔

سیرت ابنِ اسحاق میں مغازی کی روایات کا بنیادی مواد ہے اور اسی کی بنا پر ان کو سب سے بڑا عالم مغازی اور ان کی کتاب کو اولین ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ان کے استاد گرامی امام زہریؒ کو اولین مصنفِ مغازی کا مقام حاصل ہے، لیکن ان کی کتاب ناپید ہے، جس طرح ان کے پیش رَو مؤلفینِ مغازی کی تالیفات کا معاملہ ہے۔ مغازی اصلاً کتبِ حدیث کا ایک باب ہے۔ فنِ سیرت اسی سے نکلا ہے اور متخصصین کی مساعی سے وہ ایک الگ اور منفرد علم وفن بن گیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک غلط فہمی یہ راہ پا گئی کہ سیرت کو حدیث سے جداگانہ علم سمجھ لیا گیا اور مؤلفینِ سیرت کو حدیث کے فن سے تہی جان لیا گیا، حالاں کہ اکابر محدثین اور حقیقت شناس ناقدین نے دونوں علوم وفنون کے باہمی تعامل کو خوب سمجھا اور واضح کیا کہ تمام اکابر مغازی نگار محدثین کے طبقات میں شامل ہیں۔ دونوں طبقات کے ماہرین کے طریقِ روایت نے اصلاً اس فرق کی خلیج کو اتنا وسیع کیا کہ مولفینِ سیرت کو محدثین کا مدِّ مقابل اور مخالف بنا دیا گیا۔ سیرتِ نبوی کا خاص اور منفرد علم وفن بھی تقاضا کرتا ہے کہ وہ مغازی وسیرت اور حدیث دونوں کا جامع ہو کہ صاحبِ سیرت ﷺ کی سوانح نگاری ان کے بغیر ممکن نہیں۔ محدثین کے طریقِ روایت کے خاص انداز نے مؤلفینِ سیرت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا، لہٰذا

انہوں نے سیرت نویسی میں اپنا خاص تاریخی طریقِ نگارش وضع کیا۔۲؎

امام ابنِ اسحاق کی سیرت نبوی کے متعدد ایڈیشن اور نسخے تھے، جو ان کے شاگردوں نے تیار کیے تھے اور جن کا ذکر ڈاکٹر حمید اللہ نے کیا ہے۔ان میں سب سے زیادہ شہرت ومقبولیت امام زیادؒ بن عبداللہ بکائی کوفی (م ۱۸۳ھ/۷۹۹ئ) کی روایت کو صرف اس لیے ملی کہ عبدالملک بن ہشام حمیریؒ (م ۲۱۸ / ۸۳۳) نے اپنی تہذیب و تلخیصِ سیرت کے لیے اسی کو منتخب کیا۔یہ انتخاب ایسا مقبول ہوا کہ اصل کتاب پس منظر میں چلی گئی اور رفتہ رفتہ معدوم ہوگئی۔ابن اسحاقؒ کے دوسرے تلامذہ و رواۃ میں یونسؒ بن بکیر کوفی (م ۱۹۹ھ/ ۸۱۴ئ)، سلمہؒ بن فضل ابرش بصری (م ۱۹۱ھ/ ۸۰۷ئ)، محمد بن سلمہ حرّانی رازی (م ۱۹۱ھ/ ۸۰۷ئ) اور بعض دوسروں نے بھی اپنی اپنی روایات جمع کی تھیں اور ان کو بعد کے امامانِ سیرت و تاریخ ، جیسے امام محمد بن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ/ ۹۲۲ئ) امام عبدالرحمن سہیلیؒ (م ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ئ) شارحِ ابن ہشام وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں بنیادی ماخذ بنایا ہے۔ان تمام روایاتِ سیرتِ ابن اسحاق میں خاص روایاتِ سیرت کے ساتھ کافی تعداد میں وہ روایات بھی ہیں جن کو احادیث کا مقام و مرتبہ حاصل ہے۔اس مقالے میں سیرتِ ابن ہشامؒ کی انہی احادیثِ نبویہ کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ کیا گیا ہے اور اس میں بھی فی الحال صرف مکی دور کی احادیث کو پیش کیا جاتا ہے۔۳؎

سیرت ابن ہشام/ ابن اسحاق کے متعدد ایڈیشن صاحبانِ تحقیق کی تعلیقات و حواشی اور تبصروں کے ساتھ جدید دور میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ان میں سے ایک جدید ترین تحقیق وطباعت حمدی بن محمد نورالدین آل نوفل کی ہے، جو مشہور مکتبہ المورد قاہرہ سے ۲۰۰۶ء میں ایک مجلد میں سموئی گئی ہے، حالاں کہ وہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔حمدی طباعت میں محققِ موصوف نے خاص طور سے احادیثِ سیرتِ ابن اسحاق کی تخریج وتنقید کی کوشش کی ہے۔وہ بیش تر احادیثِ ابن اسحاق کا سراغ مشہور ومتداول کتبِ حدیث سے لگاتے ہیں، حالاں کہ ان میں سے بعض کا پایہ حدیثی نقطۂ نظر سے کافی فروتر ہے۔ بہرحال ان کی سعیِ

مشکور سے احادیثِ سیرتِ ابن اسحاقؒ کا مرتبہ متعین کرنے کا موقع ملتا ہے اور ان کا مزید تقابل کرنے کا حوصلہ بھی ہوتا ہے۔ محقق حمدی نے اپنی تحقیقات و تعلیقات اور تخریجات میں جدید دور کے ایک عظیم محدث اور محقق علامہ ناصر الدین البانی (م ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء) کی آراء و تنقیدات سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی تعلیقات و تخریجات کی زد سے متعدد احادیثِ ابن اسحاق باہر رہ گئی ہیں۔ اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کا سراغ نہیں لگا سکے۔ ان سے قبل بعض دوسرے محققینِ سیرت اور ناقدینِ فن نے بھی روایات و احادیث ابن اسحاقؒ کی تخریج و تعلیق کا کام کیا ہے، جو بنیادی اور قابل قدر ہے۔[۴]

طریقۂ بحث

مکی دورِ نبوی سے متعلق احادیثِ ابنِ اسحاقؒ پر بحث و تمحیص کے کئی طریقے ہوسکتے ہیں، لیکن آسانی کی خاطر کتاب کی ترتیب مدِ نظر رکھی گئی ہے۔ ابن اسحاقؒ نے بسا اوقات مکی سیرتِ نبوی کے بیانات و روایات میں مدنی دور کے واقعات و روایات و احادیث کا ذکر بھی کسی حوالہ سے کیا ہے۔ ان کا ایک خاص طریقِ جمع و تدوین یہ بھی ہے کہ وہ کسی باب و موضوع یا روایت و حدیث کے ضمن میں اسلامی خلافت کے مختلف ادوار کے واقعات کو کھپا دیتے ہیں، یا عظیم شخصیات کے حوالے سے متاخر دور کے معاملات بھی لے آتے ہیں، جیسے حلف الفضول کے بیان میں وہ اموی خلافت کے دور کے اس اختلاف و نزاع کا ذکر کرتے ہیں جو حضرت حسین بن علی ہاشمیؓ اور اموی گورنر ولید بن عقبہ امویؓ کے درمیان ہوا تھا، یا حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات کو بیان کر دیتے ہیں۔ بنو ہاشم سے ان کی محبت و عقیدت نے ان کو جانب دارانہ رویہ اپنانے پر مجبور کیا اور وہ اموی اکابر و شخصیات اور اموی خلافت کے بارے میں انصاف نہیں کر سکے۔ بہر حال ان کے تعصّبات سے اس وقت بحث نہیں، لیکن ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ متاخر روایات و احادیث کو مکی دور میں محض اپنے رجحان کے سبب لے آتے ہیں۔ مکی احادیثِ ابن اسحاق کا کتاب کی ترتیب ِ موضوعات کے مطابق ایک بیانیہ پیش کیا جاتا ہے، جو حمدی تعلیقات و تخریجات و تنقیدات کو

بھی حاوی ہے۔ان سے مکی احادیثِ سیرت کا مرتبہ و پایہ معلوم ہوگا اور آخر میں تنقیدی تجزیے میں ان احادیث کی قدرو قیمت اور فنی منزلت پر بحث کی کوشش کی جائے گی۔

مکی دور کی احادیث

حسبِ دستور امام ابنِ اسحاقؒ نے جاہلی واقعات اور مکی نبوی روایات کے ضمن میں موضوعاتی مناسبت کی وجہ سے متاخر احادیث و روایات بھی بیان کی ہیں۔ یہ صرف انہی کا دستور نہ تھا، بلکہ محدثین و اہل سیر اور مورخین اور دوسرے اہلِ علم کا بھی طریقۂ روایت رہا ہے اور اس کے اپنے فائدے بھی ہیں، لیکن تاریخی تناظر اور سلسلۂ واقعات کے اعتبار سے وہ بیانیہ کے بہاؤ میں روڑے اٹکاتے ہیں اور بسا اوقات موضوعِ زیر بحث کی تاثیر کم کر دیتے ہیں۔اس سلسلے میں ایک دوسرا مسئلہ وقت و زمانِ ترسیل و روایت کا آتا ہے۔ متعدد مکی احادیث کے زمان و مکانِ ترسیل کا تعلق مدنی دورِ نبوی سے ہے۔ ۵؎ بہر حال خالص مکی دورِ نبوی یا اس کے پیش رَو جاہلی عہد کے واقعات و شخصیات اور مسائل و امور سے متعلق احادیثِ ابن اسحاق کو ذیل میں ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے۔

عہدِ جاہلی سے متعلق احادیث

عرب، خاص کر مکہ مکرمہ میں بت پرستی کو رواج دینے کا ذمہ دار جاہلی دور کا ایک خزاعی سردار عمرو بن لحی قرار دیا جاتا ہے۔ابن اسحاقؒ نے مدنی صحابی حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ کی سند سے ’حدیث عمرو بن لحی‘ کی سرخی کے تحت اس کا متن بیان کیا ہے: ’’**رأیت عمرو بن لحی یجرّ قصبه الی النار فسألته عمّن بینی و بینه من الناس، فقال: هلکوا**‘‘۔

اس کی دوسری روایت ایک اور مدنی صحابی حضرت ابوہریرہؓ کی سند سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اکثم بن الجون خزاعیؓ سے فرمایا:

’’**یا أکثم، رأیت عمرو بن لحی بن قمعة بن خندف یجرّ قصبه فی النار ... ، انه کان أوّل من غیّر دین اسماعیل، فنصب الأوثان، و بحّر البحیرة،**

و سیّب السائبة، و وصّل الوصیلة، وحمی الحامی‘‘اس پر محقق حمدی کا جو تعلیقۂ تخریج ہے اس کا مفہوم ہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے، لیکن اس کے الفاظ مختلف ہیں، اسے علامہ البانیؒ نے اپنی کتاب ’سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ‘ میں ملتے جلتے الفاظ میں درج کیا ہے۔ موصوف نے ابنِ اسحاق کی حدیث کو ابن ہشام کی طرف منسوب کردیا۔ سیرتِ ابن اسحاق کے مرتبین نے ایسی متعدد غلطیاں کی ہیں۔

ابن اسحاقؒ نے قبایلِ عرب کے اصنام اور ان کی صنم پرستی کے اسباب سے بحث کے بعد ایک خاص سرخی کے تحت بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کی تشریح کی ہے۔(۱/ ۶۷۔۶۹) اور آیاتِ قرآنی اور لغتِ عرب سے اس کو مدلل کیا ہے۔

حدیثِ نبوی کے ورودِ مسعود کا ایک خوب صورت طریقہ تلمیح کے انداز کا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کسی بات پر قائل یا واقعہ کا حوالہ دیتے اور صحابۂ کرام میں سے بعض واقفِ اسرار ومعانی عرض کرتے کہ آپ نے شاید فلاں شاعر/شخص کا قول/شعر مراد لیا ہے اور آپ اس کی تصدیق فرماتے۔ اس طرح وہ حدیث بن جاتی۔ اس قسم کا ایک واقعہ ابن اسحاقؒ نے سامہ بن لوی کے نسب کے بیان میں نقل کیا ہے کہ اس کی اولاد میں سے کسی نے اپنا انتساب سامہ کی طرف کیا تو آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا شاعر مراد ہے؟ صحابۂ کرام میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کی مراد شاید وہ شاعر ہے جس کا یہ شعر ہے:

ربّ کأس هرقت یا ابن لوی حذر الموت لم تکن مهراقه

آپ نے فرمایا: ہاں۔ محقق نے اس کی تخریج کی ہے نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا ہے۔(۱/ ۷۳)

اسی قسم کا ایک اور تلمیح و تصدیق کا واقعہ بعثت سے قبل رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور وسیلۂ محمدی کے ذریعہ جد امجد جناب عبد المطلب ہاشمی کی قحطِ مکہ مکرمہ کے زمانے میں بارش کی دعا مانگنے سے ہے، جس کا حوالہ جناب ابو طالب نے اپنے قصیدہ میں دیا ہے۔ مدنی دور میں ایک اعرابی صحابی نے رسولِ اکرم ﷺ سے خشک سالی کی مصیبت

دور کرنے اور بارانِ رحمت سے سرشار کرنے کی درخواست کی۔آپ نے برسرِ منبر دورانِ خطبہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کی۔فوراً بادل گھر آئے اور ٹوٹ کر برسے، یہاں تک کہ جل تھل ہوگیا اور بارش زحمت بن گئی۔اس پر پھر التجا کی گئی کہ اس کے رکنے کی دعا فرمائیے۔آپ نے دعا کی: "اللهم حوالينا ولا علينا" (اے اللہ، ہمارے ارد گرد برسا، نہ کہ ہمارے اوپر) چنانچہ مدینہ منورہ کے اوپر سے بادل چھٹ گئے، جیسے کبھی برسے ہی نہ تھے۔آپؐ نے فرمایا: اگر ابو طالب آج ہوتے تو بہت خوش ہوتے۔بعض صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا اشارہ ان کے اس قول کی طرف ہے:

وأبيض يُستقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل

آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ابن ہشامؒ نے سیرتِ ابن اسحاق سے ابو طالب کے کامل قصیدہ سے صرف ان اشعار کو نقل کیا ہے جن کو وہ صحیح گردانتے ہیں اور وہ چار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔اس کے بعد ابنِ ہشام کا نقد و تصحیح ہے۔ابن اسحاقؒ کے بجائے ابن ہشامؒ کی روایتِ حدیث پر محقق نے یہ حاشیہ لگایا ہے:

> "صحیح البخاری: ۲ / ۱۵، ۳۵، ۳۷، و مسلم ۸ / ۹۔ابن اسحاقؒ کے مطابق ابو طالب نے یہ قصیدہ اس وقت کہا تھا جب ان کو عام عربوں کے اپنی قوم کے ساتھ ہوجانے اور رسول اکرم ﷺ کے خلاف جانے کا خدشہ پیدا ہوا تھا۔ وہ اس قصیدہ کے ذریعہ حرمِ مکہ اور اس کے مرتبہ کو یاد دلانا چاہتے تھے اور اشرافِ قوم کو بتانا چاہتے تھے کہ وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود آپ کی حمایت و نصرت سے دست کش نہ ہوں گے۔"

(۱ / ۱۷۳۔۱۷۸)

ابنِ اسحاق کا ایک طریقِ روایت و تالیف یہ بھی ہے کہ وہ کسی اول واقعہ کے ساتھ معنی و تناظر کی مشابہت کے سبب اسی جیسا دوسرا متاخر واقعہ بیان کر دیتے ہیں۔اس سے تاریخی تناظر بگڑ جاتا ہے اور موضوعاتِ تاریخ و سیرت کی ترتیب میں اڑچن آجاتی ہے۔عام طور سے مطیّبین و احلاف کی بیعت و صلح کہی جانے والی روایت و واقعہ کو قبائل کی مصالحت (تصالح القبائل) کا عنوان دیا گیا ہے، جس کے تحت بنو عبد الدار نے بنو عبد مناف کو سقایہ و

رفادہ کے مناصب دے دیے تھے اور حسبِ سابق حجابہ، لواء اور ندوہ کے مناصب عبدالدار کے پاس رہے تھے، جیسے کہ پہلے سے تھے۔ اس کو صلح اس لیے کہا گیا کہ بنوعبد مناف کے مطالبے پر دونوں فریقوں میں جنگ کا امکان پیدا ہو گیا تھا اور صلح جُو اکابر نے دونوں میں مصالحت کرادی تھی۔ مناصب کی یہ تقسیم اسلام کی آمد تک جاری رہی تھی۔ اس پر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: "ماكان من حِلفٍ في الجاهلية فان الاسلام لم يزده الا شدّة" (عہدِ جاہلیت کے ہر معاہدہ کو اسلام نے نہ صرف برقرار رکھا، بلکہ اس کو مزید مستحکم کیا۔) اسی مناسبت اور پیرایے میں ابنِ ہشامؒ نے حلف الفضول کا بیان شامل کر دیا۔ اس پر ابن اسحاقؒ کی حدیثِ نبوی مع اس کی سند کے بیان کی، جو مکی صحابی حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف زہریؓ کی اصل روایت سے ہے: "قال رسول الله ﷺ: لقد شهدت في دارِ عبدالله بن جدعان حلفاً ما أحبّ أنّ لي به حمر النعم، ولوادُعىٰ به في الاسلام لأجبت" اول الذکر حدیث کی تخریج میں محقق حمدی کا حاشیہ یہ ہے: "صحیح ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "لاحلف في الاسلام و أيما حلف كان في الجاهلية لم يزده الاسلام الا شدّة" علامہ البانیؒ نے اپنی صحیح ابی داؤد: ۲۵۳۸ میں اسے نقل کیا ہے، جب کہ دوسری حدیث کا حاشیۂ محقق اسے حلف المطیّبین قرار دیتا ہے۔ علامہ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "شهدت مع عمومتي حلف المطيّبين، فما أحبّ أن أنكثه وأنّ لي حمر النعم" بحوالہ صحیح الادب: ۴۴۱۔(۱/۹۳)"

امامانِ سیرت اور ان کے شارحین کرام کے ساتھ تمام سیرت نگاروں نے بالعموم یہ روایت اسی انداز سے بیان کی ہے، لیکن وہ جانب دارانہ اور تاریخی واقعات اور اصل حالات کے خلاف ہے۔ اس کا راز امام ازرقیؒ کی روایات نے کھولا ہے کہ عبد مناف کے والد قصی نے اپنی وفات کے وقت اپنے دو فرزندوں عبد مناف اور عبدالدار کو اپنے چھ مناصب میں سے آدھے آدھے دیے تھے، جن میں سے قیادہ بھی شامل تھا۔ عبد مناف نے خاندانی روایت کے مطابق اور قریشی اصول توارث میں قیادہ عبد شمس کو دیا اور سقایہ و رفادہ ہاشم کو اور ان کی اولاد میں یہ مناصب نسل در نسل چلتے رہے، جیسے دوسرے بطون میں تھے۔ ۶ے

ولادتِ نبوی کے بعد کی احادیث: معجزۂ شقِ صدر

رسول اکرم ﷺ کے بچپن میں واقعۂ شقِ صدر سے متعلق حدیثِ ابن اسحاقؒ سے سلسلہ براہ راست سیرت سے جڑ جاتا ہے۔ یہ حضرت حلیمہ سعدیہ کے زمانۂ رضاعت و پرورش کے اواخر کا واقعہ ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو سال کی مدتِ رضاعت پوری کرنے کے بعد حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی ماں کے پاس واپس کرنے گئیں، مگر حصولِ برکت کی خاطر مزید مدت کے لیے وہ آپ کو اپنے پاس رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ اتنی حریص تھیں کہ حضرت آمنہ پر اپنے اصرار اور دلائل کا زور ڈال کر واپس لے ہی آئیں۔ مکہ سے واپسی کے ایک ماہ بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ کے رضاعی بھائی نے ماں کو جاکر خبر دی کہ دو سفید پوش شخص آئے اور انھوں نے میرے قریشی بھائی کا پیٹ چاک کر دیا اور اس میں کچھ تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت حلیمہ اپنے شوہر کے ساتھ اس مقام پر پہنچیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ آپ کو پریشان خاطر دیکھ کر رضاعی والدین نے سینے سے لگایا، واقعہ سن کر تسلی دی اور آپ کو ساتھ لے کر واپس گھر گئے اور بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد آپ کو آپ کی ماں کے پاس لے جانے اور ان کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا۔

محقق حمدی نے اس واقعہ کی سرخی 'حدیث الملکین الذین شقّا بطنه ﷺ' پر حاشیہ لگا کر صحیح مسلم: ۱/۱۰۱۔۱۰۲ کا حوالہ دیا ہے اور بحث نہیں کی ہے۔ (۱/ ۱۱۲)۔

دعائے ابراہیمی و نویدِ عیسیٰ کی حدیث

امام موصوف نے اسی ضمن میں اپنی سند سے 'بعض اہل علم' سے، جو ان کے خیال میں حضرت خالد بن معدان کلاعی ہیں، یہ حدیث بیان کی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اپنی ذات والاصفات کے بارے میں کچھ بتائیے تو آپ نے فرمایا: "نعم، أنا دعوة أبی ابراهیم، و بشریٰ أخی عیسیٰ"۔

محقق نے اس حدیث کی تخریج حاشیہ میں اس طرح کی ہے: ''الحاکم: ۲/ ۶۰۰، ابن حبان: ۲۰۹۳، أنظر الصحیحۃ للالبانی: ۶ ۱۵۳۔'' یعنی یہ حدیث صحیح ہے اور مذکورہ بالا دونوں اماموں نے اس کی تخریج کی ہے اور علامہ البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱/ ۱۱۲۔ ۱۱۳)

رضاعت وعربیتِ نبوی

ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے'' أنا أعربکم، أنا قرشی، واسترضعت في بنی سعد بن بکر۔۳ '' انہوں نے اس کی سند نہیں دی ہے۔ محقق و حاشیہ نگار نے اسے 'موضوع' قرار دیا ہے اور بحث وحوالہ کے لیے عجلونی کی کشف الخفائ (۱/ ۲۳۲) ملاحظہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ (۱/ ۱۱۳)

بکریاں چرانا

ابن اسحاقؒ کا بلا سند بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''ایسا کوئی نبی نہیں ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ کہا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟ فرمایا: ہاں میں نے بھی۔ یہ حدیث مذکورہ بالا واقعۂ شق صدر وغیرہ کے معاً بعد اور رضاعت وعربیت نبوی والی حدیث سے ذرا قبل آئی ہے اور محقق نے اسے صحیح قرار دے کر بخاری (۴/ ۳۴۹) کا حوالہ دیا ہے۔ (۱/ ۱۱۳) یہ حدیث مسلم میں بھی ہے، لیکن اس کے الفاظ کچھ مختلف ہیں۔ حافظ ان حجر عسقلانی نے فتح الباری میں مختلف کتبِ حدیث سے انبیاء کرام کے بکریاں چرانے کی احادیث بیان کی ہیں۔

قبلِ بعثت عصمت وحفاظت

رسول اکرم ﷺ کے لڑکپن کے زمانے سے متعلق ایک حدیث ابن اسحاقؒ نے یوں بیان کی ہے: '' جیسا کہ مجھے بتایا گیا، رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن میں اور جاہلی زمانے میں اپنی حفاظتِ الٰہی سے متعلق ایک واقعہ یہ بیان کیا ہے: ایک مرتبہ قریش کے لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے میں بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہا تھا۔ سب لڑکوں نے پتھر

اٹھانے کے لیے اپنی اپنی ازار گلے میں باندھ رکھی تھی جس سے سب ننگے ہوجاتے تھے۔ میں نے جو ایسا کیا تو یکا یک مجھ پر ایک زور کا گھونسہ پڑا اور مجھ سے کسی نے کہا: اپنی ازار باندھو۔ چنانچہ میں نے ازار باندھ لی۔''

محقق حمدی نے اپنے حاشیہ میں اسے صرف 'صحیح' قرار دے کر بخاری (۱/ ۳۷۷) اور مسلم (۱/ ۱۸) کے حوالے دیے ہیں اور متن پر بحث سے گریز کیا ہے۔(۱/ ۱۲۳) مسند احمد میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی سند سے اور پھر حضرت عامر بن واثلہؓ کی سند سے بالترتیب ایک اور دو حدیثیں اس موضوع کی ہیں (۱۳۷۲۷ وغیرہ، ۲۳۲۸۲، ۲۳۲۸۸) ۔بعض اور احادیث ہیں۔ فتح الباری (۱/ ۶۱۵، ۷/ ۱۸۴ ما بعد) بخاری (کتاب الصلوٰۃ، باب کراھیۃ التعری فی الصلاۃ وغیرھا) مسلم (کتاب الحیض، باب الاعتناء بحفظ العورۃ) وغیرہ میں یہ واقعہ قریش کی اولین تعمیرِ کعبہ کے ضمن میں آیا ہے۔اسی وجہ سے بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب بنیان الکعبۃ میں اسے دہرایا گیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے احادیث و روایاتِ سیرت دونوں سے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دو مواقع کا معاملہ ہوسکتا ہے اور اس طرح دونوں میں تطبیق دی گئی ہے۔ ۸؎

تعمیرِ کعبہ میں تحکیمِ نبوی

رسول اکرم ﷺ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ قریشی بطون کے اکابر وخواص نے اپنے عوام کے ساتھ خالص حلال کمائی سے خانۂ کعبہ کی جدید تعمیر کی۔جب حجرِ اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا موقع آیا تو تمام خاندانِ قریش اور ان کے اکابر لڑ پڑے کہ ان میں سے ہر ایک اس شرف کو اپنے لیے چاہتا تھا۔جب نزاع بہت بڑھا اور جنگ و جدال کی قسمیں کھالی گئیں تو قریش کو پریشانی لاحق ہوگئی اور چار پانچ راتوں تک حالات خاصے دگر گوں رہے۔ پھر وہ مسجد میں جمع ہوئے اور مشورے کرکے کوئی راہِ صلح تلاش کرنے کی کوشش کی۔بعض اہلِ علم کے مطابق ابوامیہ بن مغیرہ نے، جو تمام قریش میں سب سے سن رسیدہ تھا، مشورہ دیا کہ تم لوگ اس تجویز پر متفق ہو جاؤ کہ مسجد کے

اس دروازے سے اب جو کوئی داخل ہو وہ تمہارا فیصلہ کرے۔ وہ راضی ہو گئے اور حسنِ اتفاق سے رسول اللہ ﷺ ہی اول داخل ہونے والے شخص تھے۔ لوگوں نے آپ کو دیکھا تو پکار اٹھے: ''یہ تو 'الامین' ہیں ہم راضی ہیں اور یہ تو محمد ہیں''۔ جب آپؐ ان کے قریب پہنچے تو انہوں نے ساری بات بتائی۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس ایک کپڑا لاؤ۔ وہ لایا گیا اور آپ نے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک میں لے کر اس میں رکھ دیا، پھر فرمایا: ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لے، پھر سب مل کر اسے اٹھائیں۔ جب وہ اس کو اس کے مقام تک لائے تو آپ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے اٹھا کر اس کی جگہ نصب کر دیا، پھر خانۂ کعبہ کی تعمیر کی گئی۔ا؎ حاشیہ نگار حمدی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو علامہ البانیؒ نے حضرت سائب بن عبد اللہؓ کی حدیث سے صحیح قرار دیا ہے جو مسندِ امام احمد (۳/ ۴۲۵) میں ہے۔ (۱/۱۳۱) اس حدیث میں بعض دل چسپ نکات وحقائق ہیں: (۱) حضرت سائبؓ نے اس تعمیرِ کعبہ میں حصہ لیا تھا، لہٰذا وہ اس کے عینی شاہد تھے۔ تاریخی طور سے یہ بہت اہم بات ہے۔ (۲) وہ اسلام سے قبل ایک بت کی پوجا کرتے تھے اور اس پر دودھ چڑھاتے تھے، جسے ایک کتا چاٹ جاتا اور پھر اس پر پیشاب کر دیتا تھا۔ (۳) تنصیب سے قبل حجر اسود نظر نہ آیا، پھر اچانک وہ معجزاتی طور سے پتھروں کے درمیان ایک آدمی کے سر کی طرح نظر آیا۔ (۴) حکم بنائے جانے والے شخص کے آنے کے بارے میں یہ ہے کہ وہ اس راستے سے سب سے پہلے آئے گا۔ ان تمام اضافات واختلافات سے واقعہ کی سند تو ملتی ہی ہے، امام ابن اسحاق کی حدیث کی صحت بڑھ جاتی ہے۔

وقوفِ عرفات

قریش اور ان کے اکابر نے حمس کے متکبرانہ نظریہ کے مطابق حج میں اہم ترین رکن وقوفِ عرفات کو ترک کر دیا تھا۔ ان کا استدلال تھا کہ ساکنانِ حرم کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ حرم کی حدود سے باہر جائیں، لہٰذا وہ مزدلفہ کے قیام کو کافی سمجھتے تھے، مگر اس کے ساتھ وہ تمام دوسرے عرب وعجم کے لیے عرفات کا وقوف لازمی

قرار دیتے تھے اور تمام عازمینِ حج اس پر ہمیشہ عمل بھی کرتے رہے۔ ابنِ اسحاقؒ نے ان قریشی حمس کی بدعات کے ضمن میں ایک اہم حدیث وسنتِ نبوی کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کی بدعت کے برخلاف تمام دوسرے لوگوں کے ساتھ عرفات کا وقوف حج کے دوران نزولِ وحی/ بعثت سے قبل کیا کرتے تھے۔ ابن اسحاقؒ نے اسے خالص توفیقِ الٰہی کا معاملہ قرار دیا ہے اور یہ حدیث اپنی سند سے حضرت جبیر بن مطعم بن عدیؓ کی عینی شہادت پر بیان کی ہے: ''عن جبیر بن مطعم قال: لقد رأیت رسول اللهﷺ قبل أن ینزل علیه الوحی، و انه لو اقف علی بعیر له، بعرفات مع الناس من بین قومه حتی یدفع معهم منها توفیقًا من الله۔ حاشیہ نگار حمدی نے لکھا ہے کہ اس قصہ کی تخریج حاکم نے اپنی مستدرک (۱/ ۴۶۴) میں کی ہے اور البانیؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔(۱/ ۱۳۵)۹؎

حضرت زید بن عمرو بن نفیل کی حنیفیت

بعثتِ نبوی سے قبل کے جاہلی زمانے میں مختلف علاقوں میں احناف تھے، جو صحیح دینِ حنیفی کی تلاش میں تھے اور بت پرستی سے بیزار۔ قریشِ مکہ میں چار اہم شخصیات میں حضرت زید بن عمرو بن نفیل عظیم ترین حنیف تھے، جو بعثت سے قبل اپنی وفات تک دینِ حنیفی پر قائم رہے۔ ابن اسحاقؒ نے احنافِ اربعہ پر اپنی خاص فصل میں حضرت زید کے بارے میں ایک مختصر حدیث بلا سند یہ بیان کی ہے کہ حضرت زید کے فرزند صحابی جلیل حضرت سعید بن زیدؓ اور ان کے ابن عم حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: ''کیا ہم حضرت زید بن عمرو کے لیے مغفرت کی دعا کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ اکیلے ایک امت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔۱۰؎

آغازِ بعثتِ نبوی کی احادیث

'مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم' کی سرخی کے تحت ابنِ ہشامؒ نے زیاد بکائی کے واسطے سے ابن اسحاق کی بلا سند روایت نقل کی ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر اور تمام انسانوں کے لیے بشیر مقرر کر کے مبعوث کیا۔ اس سے قبل تمام انبیاء سابقین سے آپ کی تصدیق و تائید، ایمان و ایقان اور نصرت وحمایت کا میثاق لیا تھا۔ (اس کے لیے سورۂ آل عمران: ۸۱ کا حوالہ دیا ہے) اور بیان کیا ہے کہ اول اول رویا صادقہ کی وحی آئی، جو حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ اس کے بعد شجر و حجر کی تسلیم، ندائے ہاتف کی سماعت و تصدیقِ رسالت کا ذکر کیا ہے۔ پھر نزول جبریلؑ اور تنزیلِ اولِ قرآن کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس میں آگے ہے کہ گھر واپس آ کر اللہ کے رسول ﷺ نے پورا واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا تو انہوں نے آپؐ کو بشارت دی کہ آپ اس امت کے نبی ہیں اور ثابت قدم رہنے کی تلقین کی، پھر وہ حضرت ورقہ بن نوفلؓ کو حدیث نبوی سے باخبر کرنے گئیں۔ ابن اسحاق نے ورقہ بن نوفل کی حضرت خدیجہؓ سے چچا زاد کی رشتہ داری، ان کی نصرانیت، آسمانی کتابوں کی قراءت اور اہل تورات وانجیل سے سماعت کا ذکر کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ان کو رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا: ''قدوس، قدوس، ورقہ کی جان جس ذاتِ اقدس کے قبضہ میں ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے مجھ سے سچ سچ بیان کیا ہے تو آپؐ کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتا تھا اور بلا شبہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ ان سے کہو کہ ثابت قدم رہیں۔ حضرت خدیجہؓ ورقہ بن نوفل کے پاس سے واپس آئیں اور آپ کو ان کے قول سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد جب اپنی جوار (غارِ حرا میں) پوری کر لی اور واپس آئے تو حسبِ سنت طوافِ کعبہ کیا۔ دورانِ طواف ورقہ بن نوفل سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے درخواست کی: ''اے میرے بھتیجے! مجھے اس سے آگاہ کیجئے جو آپ نے دیکھا اور سنا''۔ آپ نے ان کو بتایا تو ورقہ بن نوفل نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، بلا شبہ آپ اس امت کے نبی ہیں اور آپ کے پاس وہی ناموسِ اکبر آیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔ بلا شبہ آپ کو ضرور جھٹلایا جائے گا، ایذا دی جائے گی، جلاوطن

کیا جائے گا اور آپ سے قتال کیا جائے گا۔اگر اس دن کو میں نے پایا تو میں ضرور اللہ کی بھر پور مدد کروں گا۔'' پھر انہوں نے اپنا سر آپ کے قریب کیا اور آپ کی پیشانی چوم لی۔اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے۔اس پر حمدی کا حاشیہ ہے کہ یہ حدیثِ رویا متعدد طرق سے مروی ہے۔البانیؒ نے اس روایت کو صحیح بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ مرسل صحیح ہے۔ملاحظہ ہو البانی کی صحیح السیرۃ ۵۲/ ۵۲(۱/ ۱۵۵۔۱۵۶)۱۱۔

تصدیقِ حضرت خدیجہؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ آتا ہے یا شیطان؟ اس خلجان نے حضرت خدیجہؓ کو آنے والے کا امتحان لینے پر آمادہ کیا۔ انہوں نے فرمائش کی کہ جب آپ کے پاس وہ تشریف لائیں تو آپ انہیں بتادیں۔آپؐ نے ہامی بھر لی۔حضرت جبریلؑ حسب دستور خدمتِ نبوی میں آئے تو آپؐ نے خدیجہؓ کو بتایا: یہ جبریل میرے پاس آگئے ہیں۔حضرت خدیجہؓ نے باری باری سے آپ کو اپنی بائیں اور پھر دائیں ران پر بیٹھنے کو کہا اور دونوں بار پوچھا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے ہر بار اثبات میں جواب دیا۔پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنی گود میں بٹھا کر پوچھا: کیا آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔پھر حضرت خدیجہؓ نے آپ کو چمٹالیا اور آپ کو اپنی اوڑھنی سے ڈھانپ کر وہی سوال کیا۔آپؐ نے فرمایا: نہیں۔تب حضرت خدیجہؓ نے کہا: آپ کو بشارت ہو اور آپ ثابت قدم رہیں۔اللہ کی قسم وہ بلا شبہ فرشتے ہیں، شیطان نہیں ہیں۔'' امام موصوف نے ایک دوسری سند سے اسی حدیث کو تھوڑے اختلاف سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو اپنی قمیص میں چھپا لیا تھا،تب حضرت جبریلؑ غائب ہو گئے تھے ،جس کے بعد حضرت خدیجہؓ نے ان کے فرشتہ ہونے کی تصدیق کی تھی۔حمدی نے اپنے حاشیہ میں بیہقی کی دلائل النبوۃ (۲/ ۱۵۲) کا حوالہ دیا ہے،مگر انہوں نے او ر دوسروں نے بھی یہ نہیں بتایا کہ حضرت خدیجہؓ کو فرشتہ اور شیطان پہچان لینے یا ان کی شناخت کرنے کا علم کہاں سے ملا تھا۔(۱/ ۱۵۶۔ ۱۵۷،و مابعد)۱۲۔

جنت کے محل کی بشارتِ الٰہی

'اسلام خدیجہ بنت خویلد' کی بحث میں ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ کی سند سے ایک حدیث یہ روایت کی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کو ایک شان دار قصر جنت کی بشارت دینے کا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ اس کا متن ہے: ''اُمِرتُ أن أبشّر خدیجه ببیتٍ من قصبٍ، لاصخبَ فیه ولا نصبَ۔'' حاشیہ نگار حمدی نے بیہقی کی دلائل النبوۃ ۲ / ۱۵۲ کا حوالہ دیا ہے۔ (۱ / ۱۵۸) ۱۳۔

اللہ کی طرف سی حضرت خدیجہؓ کو سلام

بشارت کی مذکورہ بالا حدیثِ ابن اسحاقؒ پر ان کے شارح و مدوّن و جامع ابن ہشامؒ نے بلا سند مگر ثقہ راوی سے ایک اور حدیث بیان کی ہے، گویا امام پر اضافہ کیا ہے کہ حضرت جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو عرض کیا: حضرت خدیجہؓ کو ان کے رب کی طرف سے سلام کہہ دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے خدیجہ! یہ جبریل تم کو تمہارے رب کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے جواب دیا: اللہ السلام، ومنه السلام وعلی جبریل السلام''، محقق حمدی نے ایک بار پھر بیہقی کی دلائل النبوۃ ۲ / ۱۵۲ کا حوالہ دیا ہے (۱ / ۱۵۸) ۱۴۔

اولین فرضیتِ نماز

حضرت عایشہؓ صدیقہؓ سے ابن اسحاقؒ نے اولین نماز کی فرضیت کی حدیث نقل کی ہے ''... قالت: افترضت الصلاة علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أول ما افترضت علیه رکعتین رکعتین کل صلاة، ثم انّ اللہ تعالیٰ أتمّها في الحضر أربعاً، وأقرّها في السفر علی فرضها الأول رکعتین۔ (وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پہلے دو دو رکعتیں فرض ہوئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے حضر میں انہیں چار رکعت کر دیا اور سفر میں دو رکعت ہی باقی رکھا۔) محقق حمدی نے اسے صحیح قرار دے کر بخاری (۱ / ۴۶۴) کا حوالہ دیا ہے (۱ / ۱۶۰) ۱۵۔

تعلیمِ وضوونماز کی دواحادیث

ابن اسحاق نے اول حدیث میں بیان کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کووضو کا طریقہ سکھایا اورنماز کی دورکعات پہلے دکھائیں، پھر آپ کواپنی امامت میں ان کوسکھایا۔دوسری حدیث یااسی کی توسیع ہے کہ آپؐ نے گھر آ کرحضرت خدیجہؓ کوتعلیم نماز دی۔حاشیہ نگار حمدی نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی اسنادِ حدیث منقطع ہے(۱/ ۱۶۰)۱۶۔

اوقاتِ صلوۃ کی تعیین

حضرت ابن عباسؓ کی سندِ عالی سے ابن اسحاقؒ نے نمازِ پنج گانہ کے اوقات کی تعیین کے بارے میں ایک حدیث بیان کی ہے۔"... لما افترضت الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم أتاه جبريل عليه السلام، فصلّىٰ به الظهر حين مالت الشمس، ثم صلّى به العصر حين كان ظلّه مثله، ثم صلّى به المغرب حين غابتِ الشمس، ثم صلّى به العشاء الآخرةحين ذهب الشفق، ثم صلّى به الصبح حين طلع الفجر۔ ثم جاء ہ فصلّى به الظهر من قدمين كان ظلّه مثله، ثم صلّىٰ به العصر حين كان ظلّه مثليه، ثم صلّى به المغرب حين غابت الشمس لوقتها بالأمس،ثم صلّى به العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل الأول، ثم صلّى به الصبح مسفراً غير مشرق، ثم قال: يا محمد، الصلاة فيما بين صلاتك اليوم و صلاتك بالأمس۔ محقق حمدی نے سنن ابی داؤد(۱/ ۳۹۳)اورسنن الترمذی(۱۴۹) کاحوالہ دیا ہے۔(۱/ ۱۶۰-۱۶۱)

فتح الباری(۲/ ۷) وما بعد میں حافظ موصوف نے لکھا ہے کہ ابن اسحاقؒ نے المغازی میں یہ وضاحت کی ہے کہ یہ 'تعیین مواقیت الصلاۃ' اس رات کی صبح ہوئی جس میں نماز فرض کی گئی تھی اوروہ اسراء کی رات تھی۔حافظِ موصوف نے حضرت نافعؒ بن جبیر وغیرہ کے حوالے سے یہ بھی صراحت کی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام شبِ اسراء کی صبح اس وقت آئے تھے جب سورج نکل چکا تھا، لہٰذا ظہر کی نماز اول بن گئی۔بعد

کی بحث میں حافظ موصوف نے نماز کی تعلیمِ جبریل علیہ السلام اور بعد میں تعلیمِ نبوی کی احادیث بھی نقل کی ہیں اواس طرح ابن اسحاق کی توثیق کر دی ہے۔

جامع ترمذی میں کتاب الصلوۃ کی حدیث حضرت ابوہریرہؓ (۱۵۱) میں یہ وضاحت ہے کہ ہر نماز کا ایک وقت اول ہے اور دوسرا آخر۔ ابوداؤد (کتاب الصلوۃ، باب فی المواقیت : ۳۹۳) میں کافی اضافہ اور فرق ہے، اگرچہ اوقاتِ نماز کا معاملہ یکساں ہے۔ اس کے خاص نکات یہ ہیں: (۱) بیت اللہ کے پاس امامت کی۔ (۲) دونوں دن نماز مغرب کا وقت افطارِ صائم رہا۔ (۳) نماز فجر کا وقت وہ تھا جب صائم پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے۔ (۴) یہ تمام انبیاء سابقین کی نمازوں کا وقت بھی تھا''۔

نبوی کفالتِ حضرت علیؓ

اگرچہ یہ واقعہ قبلِ بعثت کا ہے، لیکن ابن اسحاقؒ نے اسے اسلامِ حضرت علیؓ کی اولیت کے باب میں بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال دار چچا حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ سے فرمایا: ''آپ کے بھائی ابوطالب کثیر العیال ہیں۔ لوگ قحط کا شکار ہیں۔ آئیے، ہم ان کے پاس چلیں۔ ان کا ایک بچہ آپ لے لیں اور ایک میں لے لوں۔ اس طرح ہم لوگ ان کی کفالت کریں۔'' حضرت عباسؓ نے آپ کی تجویز سے اتفاق کیا اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ کو۔ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ آپ کی بعثت کے وقت تھے۔ لہٰذا وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور حضرت جعفرؓ اسلام لانے تک حضرت عباسؓ کے ساتھ رہے، پھر وہ مستغنی ہوگئے۔ محقق حمدی نے اس حدیث پر کوئی حاشیہ نہیں لکھا ہے۔ (۱/۱۶۱) ۱۷؎

دینِ اسلام کی تشریح نبوی

حضرت علیؓ کے اسلام لانے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اکابرِ قریش کے خوف سے مکہ کی وادیوں میں چھپ کر نمازِ باجماعت پڑھنے کا ایک واقعہ حضرت علیؓ اور ان کے والد ماجد ابوطالب کی اچانک ملاقات کا ایک اور معنی آفریں

حدیث کا باعث بن گیا، جسے ابن اسحاقؒ نے بیان کیا ہے۔ ابو طالب نے اپنے بھتیجے سے پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے جس کو تم نے اختیار کر رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اے چچا، یہ اللہ کا دین ہے، اس کے ملائکہ کا دین ہے اور ہمارے جدِ امجد ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ مجھے تمام بندگانِ الٰہی کی طرف مبعوث کیا ہے اور چچا جان آپ میری نصیحت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ اسی ہدایت کی طرف دعوت اور اسے قبول کرنے اور اس پر میری اعانت کے بھی سب سے زیادہ حق دار ہیں''۔

اس پر محقق حمدی کا حاشیہ نہیں ہے۔ (۱/ ۱۶۱۔ ۱۶۲) ۱۸؎

(باقی)

حواشی و مراجع

۱۔ شبلی، سیرت النبی ۱/ ۲۳، محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، ۱/ ۱۲۲۔ ۱۲۳، محمد حمید اللہ، محاکمہ سیرت ابن اسحاق، ۶۔ ۳۷۔ ۳۷و مابعد

۲۔ سرِ دست اس اختلافِ نگارش سے بحث نہیں کہ متعدد صاحبانِ علم و تنقید نے اس پر کافی و شافی مواد فراہم کر دیا ہے۔ محمد حمید اللہ نے اپنے محاکمہ میں اور محمود احمد غازی نے محاضراتِ سیرت کے بعض مباحث میں اس پر بحث کی ہے۔

۳۔ شبلی ۱/ ۲۱۔ ۳۷ مابعد، محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا، ۳۸۷۔ ۳۸۸ وغیرہ: امام طبریؒ نے سلمہ بن فضل ابرش سے اور امام سہیلی نے یونس بن بکیر سے زیادہ موادِ سیرت لیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے مؤخر الذکر اور امام محمدؒ بن سلمہ کے دو قطعات پر تحقیق کر کے گمشدہ سیرتِ ابن اسحاق کی بازیافت کی ہے، حالاں کہ وہ دونوں خاصے ناقص ہیں۔

۴۔ ان میں محی الدین الخطیب کے حواشی و تعلیقات بہت قیمتی ہیں اور کسی قدر سہیلی کے محقق کی تعلیقات بھی عمدہ ہیں۔ ان میں سے بعض کا حوالہ آتا ہے۔ اردو سیرت نگاروں کی تعلیقات بھی اچھی ہیں۔

۵۔ اس پر تفصیلی بحث خاک سار نے اپنی کتاب 'مکی احادیث۔ ایک تنقیدی مطالعہ' میں کی ہے، جو زیرِ طبع ہے۔

۶۔ بحث کے لیے کتاب خاک سار 'بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات' ص ۱۳ و مابعد، نیز مقالہ 'عم نبوی جناب زبیر بن عبد المطلب ہاشمی' تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۶ء۔ حلف الفضول والی حدیث کے الفاظ مختلف طرق میں مختلف آئے ہیں۔

۷۔ سید سلیمان ندوی (۳/ بحث شرح صدر) نے بحث تو کی ہے اور صحیحین وغیرہ کی احادیثِ اسراء

کا حوالہ بھی دیا ہے، مگر شقِ صدر کو شرحِ صدر سے خلط ملط کر دیا ہے۔ ان کی حدیثِ مسلم کی تشریح بھی قابلِ قبول نہیں ہے کہ وہ اسے راوی کی غلطی سے بچپن کا واقعہ سمجھتے ہیں، ان کے خیال میں یہ بعد کا واقعہ ہے۔ مسلم کی باب الاسرء کی حدیثِ انس بن مالکؓ: (۴۱۳)۲۶۱(...) کا ابتدائی حصہ یہ ہے: ...**أن رسول الله** ﷺ **أتاه جبريل عليه السلام وهو يلعب مع الغلمان، فأخذه فصرعه فشقّ عن قلبه...**")

۸۔ بحث کے لیے ملاحظہ کیجئے مقالۂ خاک سار 'بعثت سے قبل عصمتِ نبوی'، جہات الاسلام، لاہور جنوری۔ جون ۲۰۰۸ئ۔ ایک نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ آپ کے عریاں ہونے سے قبل حفاظت کی گئی تھی۔ عریاں ہو جانے کا خیال صحیح نہیں ہے۔

۹۔ بحث کے لیے کتابِ خاک سار 'مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقائ' ۱۷۴۔ ۱۸۱ و مابعد۔ امام بخاری نے (حدیث: ۱۶۶۵) حمس کی بدعات کی تفصیل دی ہے، جو ابن اسحاقؒ کی روایات سے ملتی جلتی ہے۔ اس کے اصل راوی حضرت عروہ بن زبیرؒ ہیں۔ وقوفِ عرفات قبلِ بعثت کی کم از کم چھ احادیث بخاری وغیرہ میں حضرت جبیر بن مطعمؓ کی سند ہی سے منقول ہیں۔ شارح بخاری حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے اس حدیث کو متعدد دوسری کتب سے محفوظ کیا ہے، جیسے صحیح ابن خزیمہ، صحیح اسحاق بن راہویہ وغیرہ، نیز ملاحظہ کیجئے ابن کثیر، البدایہ ۲ / ۲۸۹، فتح الباری ۳ / ۶۵۰ وغیرہ، نیز سہیلی، ۳ / ۲۹۴۔

۱۰۔ محقق حمدی نے اس کی تخریج میں لکھا ہے کہ امام ہیثمیؒ کے بہ قول اس کی اسناد حسن ہے اور طبرانی نے الکبیر (۱ / ۱۱۵) اور حاکم (۳ / ۴۳۹) نے اس کی تخریج کی ہے۔ مزید بحث کے لیے ملاحظہ ہو مقالۂ خاک سار 'حضرت زید بن عمرو بن نفیل عدویؓ۔ دعوت اسلامی حنیفی کے اولین نقیب' جس میں اس حدیث پر متعدد مآخذ سے بحث کر کے اسے مدلل کیا گیا ہے۔ مآخذ میں شامل ہیں: ابن اسحاق کی روایتِ یونس بن بکیر، ابن سعد ۳ / ۲۰۴، زبیری، نسب قریش، خاندان بنوعدی، بلاذری، انساب الاشراف ۵ / ۵۲۲ و مابعد۔ حضرت زید بن عمرو کی حنیفیت پر سب سے قوی احادیث بخاری (کتاب المناقب، باب حدیث زید بن عمرو بن نفیل، ۳۸۲۶۔ ۳۸۲۸) میں ہیں۔ فتح الباری (۷ / ۱۷۹۔ ۱۸۴) میں قیمتی بحث ہے، جس کے آخر میں ابن حجرؒ نے اسی حدیث کا دوسرا اور زیادہ واضح متن ابو اسامہ کی اضافی روایت سے بیان کیا ہے۔ مسند احمد، حدیث: (۱۶۵۱) مسند سعید بن زیدؓ میں کچھ قیمتی اضافے ہیں۔

۱۱۔ حدیثِ بخاری حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے اور وہ ان کی مرسیل میں سے ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ مراسیلِ صحابہ یقینی طور سے کسی صحابی کی روایت ہی پر مبنی ہونے کے سبب درجۂ عالی رکھتے ہیں۔ حدیثِ عائشہؓ سے دونوں کے متون کا موازنہ بتاتا ہے کہ تمام بنیادی نکات و

حقائق یکساں ہیں اور بیش تر مقامات پر زبان بھی یکساں ہے۔ جس صحابی سے حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی حدیث لی تھی انہوں نے متعدد مراحل کو اور مختلف اوقات کی احادیث و واقعات کو ایک پیرایہ میں گوندھ کر پیش کر دیا ہے اور اس میں متعدد اہم باتوں کو چھوڑ دیا ہے۔ امام ابن اسحاق کی یہ روایت زیادہ مفصل، واضح اور خوب صورت بیانیہ پیش کرتی ہے۔ اس میں رویا صالحہ کے سلسلے کے آخری مرحلے کو بیداری میں وحی قرآنی کے نزول کے اولین مرحلے سے جوڑا گیا ہے اور وہ بنفسِ نفیس بیان رسول اللہ ﷺ ہے، بخاری کتاب بدء الوحی، باب بلا عنوان، حدیث: ۳، فتح الباری ۱/ ۲۹۔ ۳۷۔ اس کے متعدد اطراف ہیں: ۳۳۹۲، ۴۹۵۳، ۴۹۵۵، ۴۹۵۶، ۴۹۵۷، ۶۹۸۲، مسند احمد، حدیث: ۲۰۵۵۰۔ حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضؓ اور اس کے بعد کی متعدد احادیث میں ابتدائے وحی کے یہی تمام حقائق مذکور ہیں۔

۱۲۔ قوی امکان ہے کہ ان کو یہ علم اور دوسری معلومات ورقہ بن نوفل سے ملی تھیں کہ وہ ان کے قریبی عزیز تھے اور ان کے علم تورات و انجیل سے ان کو بھی دل چسپی تھی۔ یہ الگ تحقیق کا موضوع ہے کہ مکی دور میں قریشِ مکہ کو اہل کتاب کے علوم اور دین کے بارے میں کتنی معلومات تھیں۔ روایتِ یونس بن بکیر میں مزید تفصیلات ہیں۔ ان میں ایک اہم بات یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضؓ نے پہلے حضرت ابوبکر رضؓ سے کہا تھا کہ وہ آپ ﷺ کو حضرت ورقہ کے پاس لے جائیں اور اس ملاقات کی تفصیل دی ہے، جو روایت بکائی میں نہیں ہے۔ ۱۱/ ۲ /۱۳۱۔ ۱۳۴

۱۳۔ بخاری/ فتح الباری ۷/۱۶۶۔ ۱۶۷، باب تزویج النبی ﷺ خدیجة وفضلها رضؓ میں متعدد احادیثِ مناقب میں سے ایک میں یہ بشارتِ نبوی منقول ہے۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی سند سے ہے، جس میں حضرت جبریلؑ نے سلام ربانی کے علاوہ بشارت دی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی تشریحات و مباحث وغیرہ کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری: ۷/ ۱۷۳۔ ۱۷۵

۱۴۔ یہ حدیث بخاری (۳۸۲۰) بہ سند حضرت ابوہریرہ رضؓ مروی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرحِ حدیث میں مذکورہ بالا حدیث کو معمولی لفظی فرق کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ حدیث نسائی میں حضرت انس رضؓ سے مروی ہے۔ تشریح حافظ میں اور بھی مباحث و نکات و حوالے ہیں۔

۱۵۔ اس حدیثِ بخاری کے دو اطراف ہیں: ۱۰۹۰، ۳۹۳۵۔ فتح الباری (۱/ ۶۰۱۔ ۶۰۳) میں حافظ ابن حجرؒ نے دل چسپ اور اہم نکات بیان کیے ہیں۔ اول ابن اسحاق نے بیان میں یہ اضافہ کیا کہ صالح بن کیسان نے اس اسناد سے حدیث روایت کی اور اس میں یہ اضافہ کیا: ''**الا المغرب فانها كانت ثلاثا۔**'' (سوائے مغرب کے کہ اس کی ہمیشہ تین رکعتیں ہیں) امام احمد نے اسی طریق سے اس کی تخریج کی ہے۔ دوم مصنفِ گرامی کی کتاب

الھجرۃ میں زہری وعروہ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: ''**فرضت الصلاۃ رکعتین، ثم ھاجر النبی ﷺ ففرضت أربعاً**۔'' (نماز پہلے دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد چار رکعت فرض ہوئی) یہ قول حافظ موصوف اس سے واضح ہو گیا کہ حضر میں نماز میں اضافہ کا واقعہ مدینہ کا ہے''۔

۱۶۔ روایت یونس بن بکیر میں تعلیمِ وضو ونماز کی ایسی ہی دو روایات ہیں۔ مسند احمد میں حضرت زید بن حارثہؓ سے ایک اور ان کے فرزند حضرت اسامہؓ سے ایک حدیث، پہلی وحی، وضو اور نماز کی تعلیمِ جبریل کے بارے میں ہیں اور مرفوع ہیں: ۱۷۰۲۶، ۲۱۲۶۴۔

۱۷۔ فتح الباری (۷/ ۹۱ وما بعد) میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے السیرۃ النبویۃ میں مذکور قصہ کی وجہ سے ان کی تربیت و کفالتِ نبوی کا ذکر کیا ہے کہ بچپن سے ان کی کفالت کی تھی۔ حافظ موصوف نے اسلام لانے کے وقت حضرت علیؓ کی عمر دس سال کو راجح قرار دیا ہے کہ وہ ابنِ اسحاق کی روایت ہے۔ اس سے امام موصوف کی ثقاہت ملتی ہے۔

۱۸۔ بنیادی طور سے اور معانی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح ہے، خواہ ان الفاظ میں وارد نہ ہوئی ہو، یا کسی مجموعۂ حدیث میں محفوظ نہ کی جا سکی ہو۔ دوسرا خیال زیادہ صحیح ہے۔ متعدد قرآنی آیاتِ کریمہ اور دوسری احادیث شریفہ سے ان ہی معانی کا پتہ چلتا ہے۔

عصرِ حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے

مولانا سید جلال الدین عمری

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ اور ماہ نامہ زندگی نو نئی دہلی میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان مقالات میں واضح کیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی طرف متوجہ ہو اور اس کی حقانیت تسلیم کرے تو ہمیں اس کے لیے بھرپور علمی اور فکری تیاری کرنی ہوگی اور اسلام کی روشنی میں موجودہ دور کے مسائل کا حل پیش کرنا ہوگا۔ امید ہے کہ ان مقالات سے فکر ونظر کو تحریک ملے گی اور یہ اسلامی تحقیق کے عمل کو آگے بڑھانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

صفحات: ۸۰ قیمت: ۵۲